عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از

(جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی)

(۲)

قرآنی اخلاق کی بنیاد عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر ہے

اس موقع پر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ قرآن حکیم جس قسم کا اخلاق جماعت میں پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کی حیثیت اُس اخلاق جیسی نہیں ہے جو قومی ترقی وسربلندی کے لئے قومی پیمانہ پر اپنایا جاتا ہے جس کا اثر ان کے دائرہ میں نہایت فرحت افزا اور امن بخش ہوتا ہے لیکن دوسری قوموں کے معاملہ میں ایسی وحشت وبربریت کا مظاہر ہوتا ہے کہ روحِ انسانیت پناہ مانگتی ہے۔

بلکہ یہ اخلاق عالمگیر افادیت وعمومی رحمت پر مبنی اور اس نظریہ کے ماتحت ہوتا ہے۔

الخلق کلھم عیال اللہ (حدیث) تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں

الناس کلھم اخوۃ (حدیث) تمام لوگ بھائی بھائی ہیں۔

یہ روحانی تقاضہ کے طور پر اپنایا جاتا ہے اور وہ قومی عصبیت ومنافرت کے طور پر۔ اس کی بُنیاد خدا پرستی وروحانی پاکیزگی پر ہے اور اُس کی بنیاد قوم پرستی اور وطن پرستی پر ہے۔

زمانہ کی ستم ظریفی اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ "عمرانیات" "واجتماعیات" کے ہر گوشہ اور ہر شوشہ کی بُنیاد عصبیت ومنافرت پر رکھی جاتی ہے جس کی بنا پر جو قومیں اپنے معاملات میں حد سے زیادہ شریف وہمدرد نظر آتی ہیں وہی دوسروں کے معاملہ میں خونخوار درندہ سے کم نہیں ثابت ہوتیں۔

لیکن قرآن حکیم ہر اجتماعی و عمرانی مسئلہ کی بنیاد محبت و مروت۔ بھلائی و ہمدردی احسان وسلوک اور تمام ان "جواہر" پر رکھتا ہے جن سے "انسانیت" نشوونما پاکر بالیدگی حاصل کرتی ہے جیسا کہ اس کی وضاحت درج ذیل تشریح سے ہوتی ہے

> قرآن کی نظر میں پوری دنیا کی آبادی ایک خاندان جیسی ہے

قومی و بین الاقوامی زندگی کا جو بھی معاملہ ہو اجتماعی فلاح و بہبودی کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو جس بات کا حق دار ہو اس کے حق کا اعتراف کیا جائے اور جو چیز جسے ملنی چاہیئے وہ اس کے حوالہ کی جائے اور جس قسم کا بھی فیصلہ ہو عدل و انصاف کے ساتھ کیا جائے۔

اس بارے میں قرآن کا حکم یہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ

بے شک اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جو جس کی امانت ہو اس کے حوالہ کر دیا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

"امانت" کا لفظ اس موقع پر ہر چھوٹے بڑے حق حتیٰ کہ منصب اور عہدہ تک کو شامل ہے[1]

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

بے شک اللہ ہر معاملہ میں انصاف کرنے اور سب کے ساتھ احسان و بھلائی کرنے اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے

---

[1] "امانت" کا لفظ عربی میں نہایت وسیع اور جامع مفہوم رکھتا ہے جیسا کہ اس کی تائید درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے ان الامانات جمع امانة یعم الحقوق المتعلقة بذمتهم من حقوق الله تعالیٰ وحقوق العباد (روح المعانی) "امانت" کی جمع "امانات" ہے جو تمام حقوق واجبہ کو شامل ہے خواہ ان کا تعلق اللہ کے حق سے ہو یا بندوں کے حق سے ہو چونکہ خطاب اس موقع پر بالخصوص حکام اور سلطنت کے ذمہ داروں کو ہے اس لئے حکومت کے ہر قسم کے معاملات بدرجۂ ادنیٰ اس میں شامل ہوں گے حتیٰ کہ منصب اور عہدہ بھی۔

دعلوا من ذلك تولية المناصب مستحقيها (روح المعانی ج ۵ ص ۶۲ از مضمون دستور قرآنی۔

"امانات" میں اس کو بھی شمار کیا ہے کہ عہدہ صرف ان کے مستحقین کو دیئے جائیں۔

اور بے حیائی کی باتوں سے ہر طرح کی برائیوں سے
اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے روکتا ہے وہ تمہیں
نصیحت کرتا ہے تاکہ سمجھو اور نصیحت پکڑو۔

اس آیت میں تین باتوں کا حکم ہے اور تین ہی باتوں سے روکا گیا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو قرآنی زندگی کا پورا نقشہ سامنے جاتا ہے۔

عدل تمام محاسنِ اعمال کی اصل اور بنیاد ہے لیکن اس کے بعد "احسان" کا لفظ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ معاملہ صرف عدل ہی پر نہیں ختم ہو جاتا بلکہ اس کے ساتھ "احسان" بھی ہونا چاہیئے۔

پھر قرابت داروں کا ذکر جس طرح انھیں خصوصی توجہ کا مستحق ٹھہراتا ہے اسی طرح عدل و احسان سے ملی ہوئی "پالیسی" کے نفاذ کے لئے پوری دنیا کو قرابت داری میں سمیٹ کر رکھ دیتا ہے۔

یعنی قرابت داروں کے معاملہ میں جس طرح محبت و مروت، حمیت و غیرت کے ملے جلے جذبات ہوتے ہیں کہ ان کی بعض ناعاقبت اندیشیوں کی بنا پر حسنِ سلوک کا ارادہ نہ ہونے کے باوجود انسان کرنے پر مجبور ہوتا ہے اسی طرح قرآن کی نظر میں دنیا کے تمام انسان ایک گھرانے کے مختلف افراد ہیں، انسانیت ان کی نسل اور کرۂ زمین ان کا وطن ہے لہذا ان کے ساتھ سلوک اور برتاؤ میں وہی جذبہ ہونا چاہیئے جو ایک خاندان کے افراد میں ہوتا ہے۔

آیت میں برائیوں کی جن تین قسموں کا تذکرہ ہے ان میں قوۂ بہیمیہ، قوۂ وہمیہ اور قوۂ غضبیہ کی پیدا کی ہوئی تمام برائیوں، نامعقول باتوں اور ہمہ قسم کی زیادتیوں کا ذکر آ گیا ہے جو زندگی کے کسی گوشہ اور کسی شکل میں کی جا سکتی ہوں۔

غور کیجئے۔ قرآن نے انسانیت" کی "ارتقا" کے لئے کس قسم کی شاہراہ کھولی ہے؟ نیز یہ کہ دنیا کے پیش کئے ہوئے نظریۂ ارتقاء کا جواب کس عمدگی کے ساتھ دیا ہے؟

انسانی زندگی کا قرآنی معیار
عالمگیر امن و رحمت پر مبنی ہے

مزید توضیح کے لئے چند آیتیں یہ ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۳/۹۲

تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیزیں اللہ کی راہ میں نہ خرچ کرو

دوسروں کے بھلے اور فائدہ کے لئے عزیز ترین چیز قربان کر دینا "نیکی" ہے اور اسی ایثار و قربانی میں عالمگیر امن و سلامتی مضمر ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۲/۱۷۷

نیکی اور بھلائی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف (چند ظاہری رسموں کو محض ضابطہ کی خانہ پری کرنے کے ادا کر لیئے) بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور آخرت کے دن اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا (دل پسند) مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔

اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت خوف و ہراس اور جنگ کے وقت صابر و ثابت قدم رہیں۔ دراصل اسی قسم کے لوگ راستباز اور یہی متقی ہیں۔

قوموں اور ملکوں کے معاملہ میں سب سے زیادہ نازک معاملہ عہد و پیمان کا ہوتا ہے اور اسی ایک اصول پر ٹھیک ٹھیک عمل درآمد نہ ہونے سے کروڑوں کی زندگیاں یاس و حرمان کی چلتی پھرتی تصویریں بن جاتی ہیں لیکن قرآن نے معاہدہ کا کس درجہ تک لحاظ رکھا ہے اس کا اندازہ

درج ذیل آیت سے ہوتا ہے۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴿۶/۴﴾

اگر دین کے بارے میں تم سے مدد چاہیں تو بلاشبہ تم پر ان کی مددگاری لازم ہے البتہ کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد چاہی جائے جن سے تمہارا معاہدہ ہوچکا ہے تو پھر تم نہیں مدد کر سکتے۔

معاہدہ ہو جانے کے بعد اپنے اور پرائے موافق و مخالف کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی نکلے عہد شکنی کی بہر حال اجازت نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں تاریخِ اسلام کی سیکڑوں مثالیں آپ کو ایسی ملیں گی کہ جنہیں دیکھ کر "عقل وخرد" کی دنیا آج تک "انگشت بدنداں" ہے

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ﴿۲/۱۴۸﴾ نیکیوں اور بھلائیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔

ہونا تو یہ چاہیئے کہ قوموں اور ملکوں کا آپس میں مقابلہ بقار کے سامان جمع کرنے میں ہو لیکن بدقسمتی سے فنار کے سامان جمع کرنے میں مقابلہ ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت حال سے شر و فساد کے علاوہ اور کس بات کی توقع ہو سکتی ہے۔

ہاں اگر نیکی و بھلائی کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر دنیا کا رُخ ہی بدل جائے گا اور ناممکن ہے کہ امن و رحمت کی فضار نہ پیدا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۶/۱۳﴾

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر وہ جم گئے تو انھیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

ارادہ و اعتقاد و اعمال و اخلاق غرض ہر شے میں پختگی ہو۔ بے عملی اور بے راہ روی کو کسی طرف سے داخل ہونے کا موقع نہ ملے۔ زندگی کی بُنیادیں "ایمان" پر مستحکم اور اس کی تعمیر "عمل صالح"

سے ہوئی ہو۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔ (۱۰۳/۳)

دنیا میں تمام خرابیوں کا سرچشمہ یہ ہے کہ خرابی کو دیکھ کر اسے روکنے اور ختم کرنے کی بجائے اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے جس کی بنا پر دن بدن خرابیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی تاکید ہے کہ ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کرتے رہو اور اس راہ میں جب کسی کے قدم ڈگمگائیں تو اس کو صبر و ہمت دلا کر آگے لے چلو۔

یہ چند آیتیں بطور نمونہ کے اس موقع پر پیش کی گئی ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کس قسم کا کردار بنانا چاہتا ہے اور پھر "بقاء انفع" کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ جو کتاب انسانی کردار کے ڈھالنے کے لئے ایسا سانچہ لے کر آئی ہو اس پر عمل کرنے سے رحمت و عدالت کی فضا نہ پیدا ہوگی تو پھر کس سے ہوگی؟

(۲) انتخاب فطری اور بقاء اصلح

> قوموں کی باہمی کشمکش میں فطرت اسی قوم کو منتخب کرتی ہے جو "اصلح" ہو

اوپر اجمالی طور پر اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ قوموں اور جماعتوں کی باہمی کشمکش میں قیام و بقاء کے لئے فطرت اسی کو منتخب کرتی ہے جس میں مقابلۃً مجموعی حیثیت سے افادیت و صلاحیت پائی جاتی ہے اور جس میں یہ دونوں چیزیں نہیں پائی جاتی ہیں وہ چھانٹ دی جاتی ہے۔

یہ اس لئے کہ فطرت کے تقاضے کے مطابق کائنات کے مادی اور معنوی ہر گوشہ میں بناؤ اور سنوار، اصلاح اور تربیت کا کام جاری رہنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ نشو و ارتقاء کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کا نظام چل سکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جب کہ غیر صالح (تخریبی سرگرمیوں میں مصروف قوم) کو ہٹا کر صالح (بناؤ اور سنوار

کرنے والی قوم) کو آگے بڑھایا جائے۔

اس سلسلہ کی چند آیتیں یہ ہیں:-

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۲/۲۵۱

اگر اللہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (دنیا) خراب ہو جاتی لیکن اللہ سب عالموں کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے۔

یعنی یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ یہاں کسی قوم اور جماعت کو ایک ہی حالت میں نہیں چھوڑا جاتا ہے بلکہ ہمیشہ قوموں کی آپس میں مزاحمت اور ایک کے ذریعہ دوسرے کی مدافعت کا سلسلہ برابر جاری ہے جس کی بنا پر حق و عدالت اور تعمیری نشو و ارتقا کا کام بند نہیں ہونے پاتا ہے۔

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں اسی قانونِ فطرت کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۴۷/۳۸

اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل کر لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اور اگر کسی قوم و جماعت کو ایک ہی حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو ایسی صورت میں یہ بات ناممکن تھی کہ کوئی قوم بھی زیادہ دنوں اپنے ہوش و حواس کی درستگی کے ساتھ نظم و ضبط کا معیار قائم رکھ سکتی بلکہ چند ہی دنوں بعد اس کی تخریبی صلاحیتیں اُبھر کر سامنے آجاتیں اور دنیا ظلم و فساد اور تخریبی سرگرمیوں سے بھر جاتی جس کی بنا پر حق و عدالت اور تعمیری نشو و ارتقاء کا کام رُک جاتا۔

جیسا کہ اس کی تشریح ان آیتوں سے ہوتی ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۲۲/۴۰

اگر اللہ بعض کے ہاتھوں بعض کی مدافعت نہ کراتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں خانقاہیں، گرجے، دوسری قسم کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب گرا دی جاتیں۔ (اور بالآخر امن و

امان خاک میں مل جاتا)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۲۳/۷۱

اگر "حق" لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرتا تو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قوموں کی باہمی کشمکش اور پھر ایک کے ذریعہ دوسری کی مدافعت ہی کی بدولت دنیا میں نشوو ارتقاء کا موجودہ نظام قائم ہے

نظریۂ بقاء اصلح قرآن حکیم میں | اب ہم قرآنِ حکیم کی روشنی میں نظریۂ "بقاء اصلح" کو بیان کرتے ہیں جس سے اس حقیقت کی مزید وضاحت ہو سکے گی۔

یوں تو اکثر و بیشتر آیات میں اس کا تذکرہ ملتا ہے لیکن مندرجہ ذیل سورت اس بارے میں بہت واضح اور عام فہم ہے اس لئے یہاں ہم اسی کو مرکزی حیثیت دے کر مسئلہ کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۱۰۳/۱-۳

زمانہ (تاریخ انسانی) اس بات پر شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ خسارہ اور گھاٹے میں رہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق بات (نیک کام) کی صلاح دیتے رہے اور اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کے جھیل جانے اور ان میں ثابت قدم رہنے کے لئے آپس میں سمجھوتہ کیا۔

اس سورت میں صاف طور پر قیام و بقاء کے لئے چار چیزیں ضروری قرار دی گئی ہیں اور یہ چاروں ایسی مسلمہ صداقتیں ہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے زمانہ کی پوری تاریخ کو شہادت میں پیش کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی قیام و بقاء اسی قوم کو حاصل ہوگا اور اصلح قوم وہی قرار دی جائے گی

جس میں یہ چاروں چیزیں پائی جائیں گی اور جس میں یہ چیزیں نہ پائی جائیں گی یا کمی کے ساتھ پائی جائیں گی تو اسی لحاظ سے اس قوم کے لئے خسارہ اور نقصان ہوگا۔

۱۔ ایمان۔

۲۔ عمل صالح۔

۳۔ تواصی بالحق

۴۔ اور تواصی بالصبر۔

ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی بحث قرآنِ کریم کی روشنی میں اگلے باب میں آئے گی یہاں چند جملوں میں ان کی توضیح و تشریح نہایت دشوار امر ہے پھر بھی آسانی کے لئے اس موقع پر چند اشارات کئے جاتے ہیں جن سے اصل مسئلہ پر کچھ روشنی پڑ سکے گی۔

(۱) جن نظریات پر کسی تحریک کی بنیاد رکھی گئی ہو یا کسی قوم کی تنظیم ہوئی ہو وہ افراد جماعت کی رگ رگ میں سمائے ہوئے اور ان کی پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہوں۔

(۲) ان نظریات کو بروئے کار لانے کے لئے جن جن تدبیروں اور صلاحیتوں کی ضرورت پڑے اور جس جس قسم کی اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کیا جائے اس کے لئے قوم کے افراد ذاتی مفاد کو نظر انداز کر کے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

(۳) قوم کا ہر ہر فرد قولی اور عملی طور پر ان نظریات کا مبلغ ہو اور ایک دوسرے کی نگہ داشت اور تعلیم و تربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو۔

(۴) قوم کے افراد عزم و استقلال کے ساتھ مصائب و مشکلات میں ثابت قدم رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تلقین کرتے رہیں۔

مذکورہ اُصولوں کا مفہوم ان اشارات سے کہیں زیادہ ارفع اور اعلیٰ ہے پھر بھی زمانہ کی پوری تاریخ کو سامنے رکھ کر ان اشارات میں غور کیجئے تو با اصول قوم کے عروج و زوال کی پوری داستان نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ (باقی آئندہ)